اِسلام کا شورائی نظام

از جناب پروفیسر محمد یوسف فاروقی صاحب

(۲)

مشورہ لینا اور اُس پر عمل کرنا واجب ہے

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ "وشاورھم فی الامر" کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایجابی حکم نہ تھا بلکہ محض اس لیے تھا کہ صحابہ کرام سے مشورہ کر لیا کریں تو اُن کا دل بھی خوش ہو جائے گا اور اُن کی عظمت کا بھی اظہار ہو جائے گا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ حکم صرف دل خوش کرنے کے لیے نہ تھا۔ بلکہ اُن کی رائے سننے اور صحیح مشورہ پر عمل کرنے کے لیے تھا، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح عمل فرمایا کہ غزوۂ بدر میں حضرت مُنذر بن عمرو کی رائے پر عمل کرتے ہوئے لشکر کے پڑاؤ کی جگہ کا انتخاب کیا۔ غزوۂ احد میں جب اکثریت نے شہر سے باہر نکل کر جنگ کا مشورہ دیا تو آپ نے اُسے قبول فرمایا۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ غزوۂ احد میں جن لوگوں نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا تھا اُن کا مشورہ ٹھیک نہیں تھا — یہ بات بھی صحیح نہیں ہے، ان حضرات کا مشورہ بالکل درست تھا، اس غزوہ میں مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا اُس کی وجہ ایک دوسری حربی غلطی تھی نہ کہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا۔ غزوۂ احزاب[1] میں جب مدینہ منورہ کا محاصرہ شدت اختیار کر گیا اور مسلمانوں پر حالات بہت سخت ہو گئے تو رسول اللہؐ نے قبیلۂ غطفان کو توڑنے کے لیے مدینہ منورہ کی پیداوار کے تہائی حصّہ پر مصالحت کا ارادہ فرمایا، اور اس معاملہ میں سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ سے مشورہ فرمایا لیکن ان دونوں نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ بلکہ کہا کہ ہم آخر وقت تک مقابلہ کریں گے

[1] غزوۂ احزاب میں خندق کے ایرانی طریقے کا اختیار کرنا بھی مشورے کے تحت ہوا۔ (مدیر)

اور مدینہ منورہ کی پیداوار کا کوئی حصہ انہیں دے کر مصالحت نہیں کریں گے، اُن کے مشورہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی رائے پر عمل کیا[۱]۔ اسی طرح ان تمام اجتماعی معاملات میں جن کے بارے میں کوئی حکم بذریعہ وحی نازل نہیں ہوتا تھا، آپ مشورہ فرماتے تھے۔ مسندِ احمد کی ایک روایت ہے۔

لَوْ كُنْتُ مُؤَمِّرًا اَحَدًا دُوْنَ مَشُوْرَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ لَاَمَّرْتُ ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ"۔

"اگر میں مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کو امیر مقرر کرنا تو ابن ام عبد (حضرت عبداللہ بن مسعود) کو امیر مقرر کر دیتا[۲]"

ابوبکر جصاص بھی یہی رائے رکھتے ہیں، چنانچہ انہوں نے ان حضرات کا سختی سے رد کیا جو اس بات کے قائل ہیں کہ صحابہ کرام سے مشورہ تو کیا جائے لیکن ان کی رائے کو قبول کرنا ضروری نہیں، ------------------------ ذرا سوچیے یہ تو دل دکھانے والی بات ہوئی نہ کہ دل خوش کرنے والی۔ نہ ہی اس صورت میں اُن کی عظمت اور بلندیٔ مرتبت کا اظہار ہوتا ہے کہ آپؐ اُن سے رائے تو لیں لیکن اُس پر عمل نہ کریں[۳]۔

شوکانی کی بھی یہی رائے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشورہ کرنا ضروری تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے مشورہ فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مشورہ کرنے کا حکم دیا تھا[۴]۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے تو یہی بات واضح ہوتی ہے کہ آپؐ مشورہ لیتے اور اُس پر عمل فرماتے۔ آپؐ نے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے یہاں تک فرمایا تھا کہ:

"لو اجتمعتما فی مشورۃ ما خالفتکما۔

یعنی تم دونوں جس رائے پر متفق ہو جاؤ گے میں اس کے خلاف نہیں کروں گا[۵]۔ اسی آیت مبارکہ میں

۱۔ شبلی، سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۴۲۵

۲۔ ڈاکٹر محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون۔ جلد ۱ ص ۸۴

۳۔ جصاص، احکام القرآن جلد ۲ ص ۴۹

۴۔ الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر جلد ۴

۵۔ ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم جلد ۱ ص ۴۲۰

آگے یہ الفاظ ہیں "فاذا عزمت فتوکل علی اللہ" لفظ عزم کی تفسیر کے بارے میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزم کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"مشورۃ اھل الرائے ثم اتباعھم"

یعنی اہل الرائے سے مشورہ کرنا پھر اس کی پیروی کرنا۔ اس حدیث مبارکہ میں "ثم اتباعھم" نے بات بالکل واضح کر دی ہے کہ مشورہ پر عمل کرنا واجب ہے[1]۔ حقیقت یہ ہے کہ عزم و اعتماد کی کیفیت بھی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب لوگوں سے مشورہ کیا جائے اور جو بات باہمی مشورہ سے طے پا جائے، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس پر عمل کیا جائے۔ امام قرطبی اس آیت کی تفسیر سے ابن عطیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:۔

"الشوریٰ من قواعد الشریعۃ وعزائم الاحکام" (یعنی شوریٰ عزائم احکام اور شریعت کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے[2])

یہ بات یقینی ہے کہ جو چیز دین کی بنیاد اور اصول ہو اس کو برقرار رکھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہوگا۔ ابن خُوَیز مَنداد کی یہ رائے قرطبی اور شوکانی نقل کرتے ہیں کہ حکمرانوں پر مشورہ کرنا واجب ہے۔ اور یہ کہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ ایسے حکمرانوں کو معزول کر دینا واجب ہے جو اہل علم و دین سے مشورہ نہیں کرتے[3]۔

اس بات پر تو سب ہی کا اتفاق ہے کہ حکمرانوں پر فرض ہے کہ ملکی معاملات باہمی مشورہ سے طے کریں۔ لیکن سب سے اہم سوال یہ ہے کہ اگر حکومت کوئی مجلس شوریٰ بناتی ہے یا کوئی مشاورتی کونسل تشکیل کرتی ہے تو اس کے مشوروں کی حیثیت کیا ہوگی؟ آیا حکومت مجلس شوریٰ کے مشوروں کی پابند ہوگی یا نہیں؟

ہم نے سطور بالا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اس پہلو کو بیان کیا ہے کہ آپؐ صحابہ کرامؓ کے مشوروں پر عمل فرماتے تھے۔ یہی بات اس آیت مبارکہ سے بھی ثابت ہو رہی ہے۔ "فاذا عزمت"

---

[1] ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم جلد ۱ ص ۴۲۰

[2] القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، الجامع الاحکام القرآن جلد ۴ ص ۲۴۹

[3] القرطبی، الجامع الاحکام القرآن جلد ۱ ص ۲۴۹، الشوکانی، فتح القدیر جلد ۱ ص ۳۶۰

کی جو تفسیر حضرت علیؓ کی روایت سے ثابت ہے اُس کی روشنی میں ایک بات طے ہے کہ حکومت شوریٰ کے مشوروں کی پابند ہوگی۔ ابوبکر جصاص بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ وہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "وفی ذکر العزیمۃ عقب المشاورۃ دلالۃ علیٰ انھا صدرت عن المشورۃ"

عزیمت کو جو مشورہ کے بعد ذکر کیا گیا ہے یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے یہ عزم مشورہ کا نتیجہ ہے۔[1]

اسی بات کی تائید رسول اکرمؐ کی سیرت طیبہ سے ہوتی ہے، ان تمام معاملات میں جہاں وحی نہ ہو آپ مشورہ فرماتے اور اُس کے مطابق عمل فرماتے تھے۔ غزوۂ احد اور غزوۂ احزاب کے موقعوں پہ آپ کا مشوروں کے مطابق عمل درآمد فرمانا ہماری رائے کی تائید کرتا ہے۔ عہدِ خلفائے راشدین میں بھی یہی طریقہ رہا ہے۔ ہاں اگر کبھی حکومت اور اہلِ شوریٰ میں اختلاف پیدا ہوگیا ہو تو اپنے اپنے موقف پہ دلالت و گفتگو کا سلسلہ جاری رہنا تھا حتیٰ کہ ایک فریق دوسرے کو اپنے موقف کا قائل کر لے۔ تب اُس پہ عمل درآمد ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف کارروائی کا ارادہ فرمایا تو اہلِ شوریٰ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ کلمہ گو کے خلاف جنگی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے موقف کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "امرت ان اقاتل الناس" الخ پیش کی۔ خلیفۂ وقت کے دلائل سن کر لوگ اُن کی رائے سے متاثر اور متفق ہوگئے تو اس پہ عمل درآمد ہوا۔ اسی طرح جنگِ یمامہ کے بعد جب عمرؓ فاروق نے صدیق اکبرؓ کو قرآن حکیم کو ایک کتابی شکل میں مرتب کرانے کا مشورہ دیا تو ابتدا میں ابوبکرؓ صدیق نے فاروق اعظمؓ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ اپنے موقف کے حق میں دلائل دیتے رہے اور اُس کی اہمیت و ضرورت کو جتلاتے رہے، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُن کی رائے سے اتفاق کر لیا، اور پھر حضرت زیدؓ بن ثابت کو اس کام کے لیے مامور کیا۔

عالمِ اسلام کی مشہور شخصیت جسٹس عبدالقادر عودہ شہید بھی یہی موقف رکھتے تھے۔ اور وہ لکھتے ہیں کہ "شوریٰ بالکل بے مقصد ہو کر رہ جائے گی۔ اگر حکومت اکثریت کی رائے کو نہ مانے۔ اُمتِ مسلمہ پر شوریٰ کی فرضیت اس بات کی متقاضی ہے کہ اکثریت کی رائے تسلیم کی جائے۔ یہی بات سنتِ نبویؐ سے ثابت ہے۔"[2]

---

[1] جصاص، احکام القرآن جلد ۲ ص ۵۰

[2] عبدالقادر عودہ شہید، الاسلام واوضاعنا السیاسیہ، ص ۱۶۲

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث " ید اللہ علی الجماعۃ " اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ اسی طرح " ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن " جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ یہ احادیث بھی ہمارے موقف کی تائید کر رہی ہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت کو بھی ہم اپنے موقف کی تائید میں پیش کر سکتے ہیں۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا - جو شخص اللہ کے رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر دوسری چلنے لگے تو ہم اس کو اسی طرف لے جائیں گے جس طرف کہ اس نے جانا پسند کیا ہے۔ اور اسے دوزخ میں پہنچا دیں گے جو بہت برا ٹھکانا ہے[1]۔

اس آیت میں وارد ہوئے الفاظ " ویتبع غیر سبیل المومنین " قابل غور ہیں جو ہمارے موقف کی تائید کر رہے ہیں۔

ارکان شوریٰ کی اہلیت عہد نبوی اور خلفائے راشدین میں شوریٰ کے ارکان وہ حضرات ہوتے تھے جو اسلام میں سابقین اولین ہوتے تھے اور جن کی دین اسلام کے لیے خدمات اور قربانیاں زیادہ ہوتی تھیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی مملکت صرف اس لیے وجود میں آتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہو، سارا معاشرہ اور معاشرہ کے تمام ادارے اسلامی تعلیمات اور اس کی روح کے مطابق کام کریں۔ ایسے معاشرہ میں وہ افراد ہی قیادت و رہنمائی کے مستحق ہیں جنہوں نے دین کے لیے زیادہ سے زیادہ قربانیاں دی ہوں، اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے پرخلوص جدوجہد کی ہو، جن کی دیانت نیکی اور تقویٰ شکوک و شبہات سے بالاتر ہو، آج بھی مجلس شوریٰ کے ارکان کا انتخاب کرتے ہوئے اسی چیز کو معیار بنانا چاہیے۔ یا کم از کم ایسے افراد ہوں جس کی دین اسلام کے ساتھ وابستگی ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالاتر ہو۔ یہ تو وہ معیار ہے جس کو ہمارے اسلاف نے نہ صرف ارکان شوریٰ کے لیے ضروری تصور کیا ہے۔ بلکہ تمام سیاسی اور انتظامی عہدوں کے لیے بھی اس کو معیار قرار دیا ہے علامہ آلوسی مرحوم نے اس کے علاوہ دو صفتوں کا ذکر کیا ہے جو ارکان شوریٰ کے لیے ضروری ہیں۔

---

[1] النساء، آیت، ۱۱۵

ایک یہ کہ وہ ذہین و عقل مند ہوں اور دوسرے یہ کہ صالح دیندار ہوں[1] حضرت سفیان ثوریؒ سے مشیر کی اہلیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ " لیکن اهل مشورتك اهل التقوى والامانة ومن يخشى الله تعالىٰ "۔ " آپ کے مشیر متقی، امانت دار اور خوف خدا رکھنے والے ہونے چاہئیں[2]۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اگر دینی مسائل یا احکام سے متعلق مشورہ درکار ہو تو مشاورتی کونسل کے ارکان دیندار علماء ہوں، لیکن اگر دیگر معاملات سے متعلق مشورہ کی ضرورت ہو تو پھر تجربہ کار، زیرک اور مشورہ لینے والے (اسلامی حکومت) کے ساتھ خلوص و محبت کے جذبات رکھنے والے افراد ہوں[3]۔

مشیروں میں امانت داری کی صفت کی طرف حدیث نبوی میں بھی اشارہ ملتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ " المستشار مؤتمن "۔

جسٹس عبدالقادر عودہ شہید رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل تین اوصاف کا ذکر کیا ہے:۔

۱۔ عدالت:۔ عدل سے مراد وہ فرد ہے جس کی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو، فرائض کا پوری طرح پابند ہو، فضائلِ اخلاق سے اس کی زندگی آراستہ ہو۔ اور معاصی و بداخلاقیوں سے اجتناب کرتا ہو۔

۲۔ علم:۔ دوسری صفت اہلِ شوریٰ کے لیے علم ہے۔ یہاں علم اپنے وسیع مفہوم میں مستعمل ہے۔ دینی علوم کے ساتھ ساتھ سیاسی، معاشی اور تجرباتی علوم بھی داخل ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ شوریٰ کا ہر رکن علم کے ہر شعبہ میں ماہر ہو بلکہ کسی ایک شعبہ میں بھی وسعتِ نظر کافی ہے۔ مثلاً علم طب، ریاضی وغیرہ، یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام اہل علم درجۂ اجتہاد پر فائز ہوں بلکہ اکثریت میں اجتہادی بصیرت کافی ہے۔

۳۔ حکمت و رائے:۔ تیسری شرط یہ ہے کہ یہ ارکان صاحب الرائے ہوں، صاحب الرائے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تجربہ کار اور معاملہ فہم ہوں، ملکی و ملی معاملات میں اپنی آزادانہ رائے دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ یہ لوگ صاحبِ حکمت بھی ہونے چاہئیں، حالات کو سمجھتے ہوں اور زمانہ کی نبض پر انگلیاں رکھتے ہوں، تاکہ مسائل و مشکلات کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کر سکیں[4]۔

---

[1] آلوسی، روح المعانی۔ جلد ۲۵ ص ۴۶

[2] الجامع الاحکام القرآن جلد ۴ ص ۲۵۱ [3] ایضاً ص ۲۵۰

[4] عبدالقادر عودہ، الاسلام واوضاعنا السیاسیہ، ص ۱۶۸۔